اردو شاعری کا سفر

کوثر سید

۲۵ دسمبر ۲۰۱۶ کی شام اردو اکیڈمی شمالی امریکہ کی جانب سے ایک بڑی دلچسپ ادبی نشست منعقد کی گئی۔ حسب معمول دو ادوار پر مبنی اس محفل کے پہلے دور میں زبان اردو کی تاریخ گفتگو کا موضوع رہی ۔ شاعری اور ادب سے لبریز اس زبان کی تاریخ کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کا اس سے دلفریب طریقہ کیا ہو سکتا ہے کہ جب سے اس زبان میں شاعری لکھی جانے لگی تھی تب سے اندازہائے سخن میں آنے والی تبدیلیوں کے حوالے سے اردو زبان میں آنے والی تبدیلیوں کا اندازہ لگایا جا ئے!

بہر حال۔ اس دور کے منتظم جناب معیز خان صاحب نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اردو شاعری کے بدلتے رنگوں کی روشنی میں زبان اردو کی عمر گریزاں کا جائزہ لیا ۔ بڑی محنت سے اس حسین تاریخ کی چھان بین کر کے یہ غیر معمولی اطلاعات ہم تک پہنچائی۔ اور ایک وقفہ کے بعد اردو اکیڈمی میں شرکت کرتے ہوئے ڈاکٹر غزالہ انصاری صاحبہ نے اس دور کی صدارت کی ذمہ داری سرانجام دی۔

یہ زبان جو کبھی ہندوی کہلائی تو کبھی ریختہ، تو ایک عرصۂ طویل تک بینام بھی رہی، یہ اردو زبان جو اپنی تمام تر دلکشی کو دامن میں سمائے آج اردو کے نام سے مشہور زمانہ ہے اس کا آغاز اس کے پوری طرح وجود میں آنے کے کئی زمانوں پہلے ہو چکا تھا۔

لسانی علوم میں دلچسپی رکھنے والے ذہنوں نے جب تاریخ میں چھپی حقیقتوں سے پردے اٹھانے شروع کئے تو حیرت انگیز بات یہ سامنے آئی کہ دنیا بھر میں بولی جانے والی تمام بولیوں کی ابتدا ایک ہی جگہ سے ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی مختلف زبانوں میں کئی لفظ ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

یہ میسوپوٹیمیا نام کی بستی تھی جو آج سے ہزاروں برس پہلے فرات ندی کے کنارے بسی تھی۔ یہاں کے لوگ خوش اخلاق، بہادر، اور تہذیبی لحاظ سے افضل مانے جاتے ہیں۔ سائنسدانوں کا ماننا ہے کہ جب یہ بستی اتنی آباد ہو گئی کہ پھر وہاں مزید لوگوں کا بسنا مشکل ہو چلا، تو کچھ لوگ نکل کر مغرب کی طرف چل نکلے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یونان، جرمنی، روس، فرانس، اور برطانیہ کی زمینیں آباد کیں ۔ آج جو زبانیں ان علاقوں میں بولی جاتی ہیں، وہ انہی کی پیش کردہ ہیں۔ میسوپوٹیمیا سے نکلنے والے کچھ اور لوگ مشرق کی جانب چلے ان لوگوں نے آرمینیا، ایران بسایا اور وہاں بادشاہی کی۔ ان میں سے کچھ لوگ ایشیا کی جانب چلے اور وہاں بستیاں بسائی۔ انسانی تاریخ میں یہ لوگ ایرانی آرینس کہلائے۔ جب سکندر کے ہاتھوں ان کی مات ہوئی تب ان کی تہذیب میں یونانی رنگ گھلنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نئی زبان وجود میں آئی جس کا نام پہلوی تھا۔ اس کی لکھائی میسوپوٹیمیا کی کونیفارم سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اور یہ پہلوی زبان موجودہ اردو کی بزرگ کہی جا سکتی ہے۔

برس ہا برس ایشیا میں نئے لوگ آتے پرانی بستیوں پر حاوی ہوتے اور انہیں پیچھے دھکیلتے رہتے۔ یہ سلسلا کئی عمریں کاٹتا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی پرانی تہذیب، اور بولیاں ملتی گئیں اور نئی زبانیں بنتی گئیں۔ ہند کی سرزمین پر بسنے والے آرین اب ہندو آرین کہے جاتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی معنی خیز زبان سنسکرت بولتے تھے۔ اب نئے آنے

والے لوگوں کی زبانوں کا میل اس زبان میں ہوا تو تقریباً ۲۰۰ سال کے وقت میں سنسکرت کی زبان کی گہرائیوں سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جو سنسکرت کے مقابلے سہل اور بولنے سمجھنے میں آسان تھی۔ یہ زبان پراکرت کہلائی۔ تقریباً ۵۴۳ سال قبل عیسیٰؑ کے پراکرت میں سے سنسکرت کی جھلک جا چکی تھی۔ موجودہ بہار کے علاقہ میں جسے اس زمانے میں مگدھ کے نام سے جانا جاتا تھا ،یہ زبان بولی جاتی تھی۔ وہ پراکرت جو سنسکرت سے قربت رکھتی تھی اسے تاریخ نے پراکرت اول کا نام دیا اور جو پراکرت سنسکرت سے پرے نکل آئی تھی اسے پراکرت دویم کا نام دیا گیا۔ اس پراکرت زبان کی بھی اردو زبان کی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے۔

اسی پراکرت دویم سے پشاچی، ماگدھی، مہاراشٹری، اور سُر سَیَنی زبانیں وجود میں آئیں۔ مہاراشٹری سے موجودہ مراٹھی آئی؛ ماگدھی زبان جو پالی بھی کہلائی، جس میں راجہ اشوک نے پیغامات پتھروں پر رقم کئے، اس میں سے بہاری، ہندی، اور بنارسی زبان وجود میں آئیں۔

سُر سَیَنی سے برج بھاشا کا جنم ہوا جو محمود غزنوی کے زمانے میں دہلی میں بولی جاتی تھی۔ اس زبان کو اردو کی ماں بھی کہا جاتا ہے۔

چھٹی صدی میں ایک بار پھر سنسکرت کا دور آیا جب راجہ وکرم آدتیہ نے سنسکرت کو راجوی زبان مقرر کیا۔ یہ پراکرت دویم کا وقت اختتام تھا۔ لیکن آٹھویں صدی اے

دسویں صدی میں پھر پراکرت ابھر کر آئی جسے تیسری پراکرت کا نام دیا گیا ہے، یہ پراکرت موجودہ ہندی سے ملتی جلتی تھی۔

یہ دور تاریخ اردو کی کتاب کا ایک اہم باب ہے کیونکہ یہ وہ وقت تھا جب بابل کے بادشاہ حجاج نے سندھ کے راجہ داہر کو قتل کرنے کے حکم کے ساتھ محمد قاسم کو سندھ بھیجا اس لیے کہ داہر نے کراچی کے قریب اس کے جہازوں کو لوٹ لیا تھا۔ یہ ابتدا تھی سندھ پر عرب حکومت کی جو ۳۰۰ برس رہی۔ اس دور میں سندھی زبان میں عربی الفاظ کی آمیزش ہونے لگی کیونکہ فوجوں میں آنے والے کچھ لوگ ہندوستان ہی میں بسنے لگے ۔

ایک ہزار دس برس قبل عیسیٰؑ تک ۲۵ سالوں میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر ۱۷ حملے کئے۔ پھر محمد غوری کا دور اور پھر قطب الدین ایبق نے پہلی بار دہلی میں اپنی حکومت قائم کی اور دہلی ہی کو اپنی راجدھانی بنایا۔ اس نے فارسی کو درباری زبان قرار دیا۔ ان درباروں میں شعرو شاعری کی بڑی قدر کی جاتی۔ شاعروں کی بڑی عزت ہوتی۔

تقریباً ۱۰۴۶ سے ۱۱۲۱ سال قبل محمود سعد سحری نے تین دیوان شایع کئے ایک عربی، ایک فارسی، اور ایک ہندوی میں۔

پھر ۱۲۵۳ میں اب الحسن امیر الدولہ جو ایک ترکی امیر کے بیٹے تھے اور ان کی والدہ ایک ہندی خاتون تھیں، جن کا نام آج بھی شعرو سخن کے آسمان پہ روشن ہے۔ امیر خسرو کے نام سے مشہور اس شاعر نے دہلی کی عام لوگوں میں بولی جانے والی برج بھاشا اور بادشاہ کے دربار میں بولی جانے والی زبان فارسی کو ہم آہنگ کرنا شروع کیا۔ انہوں نے ترکی شاعری کی لے میں فارسی اور بھاشا کو ملا کر شاعری میں وہ رنگ بھرے کہ آج بھی ان کی بہار کم نہیں ہوئی۔ امیر خسرو کے ذکر کے بعد محترمہ ڈاکٹر غزالہ انصاری صاحبہ نے

امیر خسرو کی شاعری کہ جس میں فارسی اور برج بھاشا کا خوبی کے ساتھ شاعری میں گوندھا گیا تھا، وہ پیش کی۔ غزالہ صاحبہ نے اس غزل کے معنی بھی اچھی طرح سمجھائے۔

تیرہویں صدی کے آخر تک کے اردو کے وجود کو لسانی تاریخ کے پڑھنے والے پرانی اردو کہتے ہیں۔ اس نئی زبان میں اب تک فارسی، عربی، دراوڈی، سنسکرت،اور ترکی الفاظ مل چکے تھے۔ مگر اب بھی اس کا کوئی خاص نام نہیں تھا۔ کہیں ہندوی کہلائی تو کہیں ریختہ۔ اس زمانے میں مغربی بھارت میں اردو کافی حد تک برج بھاشا اور نئی زبانیں مل چکی تھیں۔ امیر خسرو نے اپنی شاعری میں دونوں زبانوں کو خوبی سے ملایا ادھر مشرقی بھارت میں خاص ہندی بولی جاتی تھی ۔ بنارس میں اس ہندی میں گو عربی، ترکی، اور فارسی کا اثر زبانوں میں گھلا مگر پھر بھیپندرہویں صدی تک تلسی داس ، سورداس ، کبیر داس جیسے بھجن کہنے والے بھی آئے۔ حالانکہ ان کی شاعری میں بھی کافی اثر فارسی کا نظر آتا ہے۔سولہویں صدی میں گرونانک کی شاعری ابھری۔ الغرض، تیرہویں سے پندرہویں صدی تک شمال سے آنے والے حملوں تلے زبان میں نیا پن تو آیا مگر شعرو سخن میں زیادہ تر صوفی کلام، اور بھجن کا دور رہا۔ اس دور کے شاعروں میں میر حسن سہر، خواجہ بندہ نواز، سید محمد جان پوری، قلی قطب شاہ شامل ہیں۔

اردو شاعری کی آمد دکھن میں بیجاپور، گول کنڈا کی بادشاہت کے زمانے میں ہوئی، یہ وہ دور تھا جب بادشاہ اکبر شمالی بھارت کا حاکم تھا اور درباری زبان فارسی قرار پائی۔ دکھن ہی سے ابھرنے والے ایک شاعر ولی دکھنی اس نئی زبان کی محبت میں یوں بندھے کہ انہوں نے اس زبان کو ایک ترتیب میں ڈھالا اور اس کی گرامر کو بھی سنوارا۔ ولی دکھنی نے اردو کو بچپن سے نکال کر اسے جوانی عطا فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں بابائے ریختہ کہا گیا۔ ولی دکھنی نے اردو

شاعری میں عربی اور فارسی بحر کو شامل کیا اور ان زبانوں کے کئی جملے بھی۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ وہ ولی دکنی ہی تھے جو اردو شاعری کو دہلی میں لے کر آئے۔

اس ذکر کے ساتھ محفل کی دوسری غزل پیش کی گئی جسے نور فاروقی صاحبہ نے اپنے مختلف انداز میں سنایا۔ شاعر تھے جناب ولی دکنی:

جسے عشق کا تیر کاری لگے

اسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے

نور فاروقی محترمہ انیلا بھلر صاحبہ کی بھتیجی ہیں ۔ اردو ادب سے محبت رکھتی ہیں اور ان کی ذوردار پیشکش کے بعد اردو اکیڈمی کو امید ہے کہ وہ ان محفلوں میں شرکت کرتی رہیں گی۔

سنہ ۱۵۲۶ءکے آگے کے دور کو ماڈرن اردو کا دور کہا جاتا ہے، جس کی ابتدا مغلیہ سلطنت کے عروج سے ہوئی۔ شاہجہاں نے لال قلعہ تعمیر کروایا، اپنی بادشاہت قائم کی اور اپنے ملک کو شاہجہان آباد کا نام دیا۔

سترہویں صدی کے آخر تک اردو شاعری کے افق پر کئی ستارے روشن تھے، جیسے کہ شاہ مبارک آبرو، سراج الدین میرزا جان جاناں منظر، میرزا رفیق سودا، خواجہ میر درد اور داغ دہلوی۔ ان کے علاوہ سراج اورنگ آبادی اور امام بخش نسیم کا بھی دور رہا۔ لکھنئو میں آتش، ناسخ، میر انیس اور دبیر کا دور چل رہا تھا۔

اس موقع پر جناب تاشی ظہیر صاحب نے سراج اورنگ آبادی کی غزل سنائی:

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی

نہ تو تو رہا، نہ تو میں رہا جو رہی تو بے خبری رہی

میر تقی میر کا دور اردو شاعری کے لیے ایک انقلابی دور تھا۔ میر نے اردو شاعریمیں اظہار خیال کو سہل بنایا مگر خیال کی گہرائی کو برقرار رکھا۔

جناب عبد الستار غزالی صاحب نے میر کی غزل سنائی:

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

مغلیہ دور میں دہلی میں ایک بازار لگا کرتا تھا جہاں سپاہی جمع ہوتے اور ضروری خرید و فروخت کرتے۔ اس بازار کو اردو بازار کہا جاتا کیونکہ زیادہ تر فوجی ہی اس میں حصہ لیتے۔ اب جب کہ آنے والے لوگوں میں ریختہ ہی تھی جو سب استعمال کر پاتے تھے، اس وجہ سے وقت کے ساتھ ساتھ ریختہ کا نام اردو ہوا۔ ترکی زبان میں اردو کا مطلب فوج ہوتا ہے۔

۱۸ویں صدی کے آخر تک اردو شاعری شاہی دربار تک آ چکی تھی۔ بادشاہ شاعروں کی قدر کرتے اور مشاعرے منعقد کئے جاتے، لوگ شاعری سے لطف اندوز ہوتے۔انگریزی حکومت کے آنے سے انگریزوں نے اردو زبان کو سیکھنا شروع کیا اور اردو نثر کا دور شروع ہوا۔ انگروزوں نے اردو میں کتابیں چھپوانا شروع کیں اور اردو اور ہندی اسکالرسزکو نثر لکھنے پر آمادہ کیا۔

انیسویں صدی تک فورٹ ویلیم کالیج میں کئی اردو شاعری اور نثر کی کتابیں موجود تھیں۔ میر محمد حسین خان تحسین نے امیر خسرو کی کتاب چہار درویش کو فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا اور میر شیر علی افسوس نے باغ و بہار اردو لکھی۔

اس دور میں اردو شاعری ایک اور انقلاب سے گزر رہی تھی۔ میر کے بعد یہ دوسرا شاعر تھا جس نے اردو اور فارسی شاعری میں انقلاب پیدا کیا اور شاعری میں ایسا انداز بیاں پیدا کیا کہ آج تک اس انداز بیاں

کا جواب دنیا نہیں لا سکی۔ یہ تھے مرزا اسد اللہ خاں غالب جن کی شاعری ان کے زمانے سے بہت آگے کی شاعری مانی گئی۔ اسی دور میں ذوق، داغ، اور حالی جیسے شاعر بھی ہوئے۔

جناب تصدق عطاری صاحب نے میرزا غالب کی غزل سنائی:

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

بن گیا رقیب آخر جو تھا رازداں اپنا

پچھلے عربی اور افغانی بادشاہوں کے بر عکس مغل باد شاہوں نے ہندو اور مسلم کے فرق کو مٹایا۔ ان کے زمانے میں شاہی زبان فارسی تھی اورعام لوگوں کی زبان برج بھاشا۔ اس دوری کو شاعروں نے کچھ کم کیا تھا مگر مغل سلطنت نے معاشرے کے ہر طبقے سے اس فرق کو مٹا دیا۔ اب ہندستانی اور مغلیہ تہذیب کا میل جول بہت گہرا ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم اسکالرز نے رامائن، مہابھارت جیسی کتابوں کے فارسی میں ترجمہ کرنے لگے ۔ ہندو ئوں کو فارسی سیکھنے کا موقعہ ملا۔ اب کئی ہندو شاعر بھی اردو شاعری کے ستارے بنے اور اردو شاعری مذہب کے بندھنوں سے آزاد ہوئی۔ ان شاعروں میں ، پنڈت برج نرائن چکبست کا شمار ہوتا ہے۔

اس ذکر کے ساتھ کوثر سید صاحبہ نے چکبست کی شاعری سنائی:

درد دل پاس وفا جزبہء ایماں ہونا

آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا

ہندو شعرا میں ایک اور نام نمایاں ہوا ، جن کی شاعری آج تک غزل گانے والے شوق سے گاتے ہیں۔ ان کی زندگی پر بھی ٹی وی پر پروگرام بنائے گئے۔ علی سردار جعفری نے اپنی ٹیوی سیریل کاہکشاں میں ان پر ایک دو معلوماتی پروگرام بھی چلائے۔ وہ تھے فراق گورکھپوری۔

مبین خلیل صاحب نے فراق گورکھپوری کی غزل سنائی:

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں

تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں

اسی سلسلے کے ایک اور شاعر جناب منشی تلوک چند محروم بھی تھے جن کی غزل جناب حاتم رانی صاحب نے سنائی:

اس کا گلہ نہیں کہ دعا بے اثر گئی

اک آہ تھی جو کہیں جا کہ مر گئی

بیسویں صدی میں پھر دور آیا جوش ملیح آبادی کا جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اردو کو انقلاب کا اظہار کرنا سکھایا۔پھر کیفی اعظمی، علی سردار جعفری، فیض احمد فیض ، ساحر لدھیانوی، احمد فراز جیسے ترقی پسند شاعروں کا جو اپنی شاعری میں زندگی کی تلخیاں بھی بیان کرتے تھے۔ شاعری جو کہ عشق حقیقی کی عکاسی کرتی ہوئی جذبات کو آشکار کرنے لگی تھی، اب لوگوں کے دلوں میں ظلم و جور کے خلاف بغاوت کے جذبے بھی پیدا کرنے لگی تھی۔

اس موقع پر ظفر یوسفزئی صاحب نے فیض احمد فیض کی غزل سنائی۔ :

کچھ پہلے ان آنکھوں آگے کیا کیا نہ نظارہ گزرے تھا

کیا روشن ہو جاتی تھی گلی جب یار ہمارا گزرے تھا

زبان اردو جو اب تک صوفیوں کی محفلوں میں درخشاں ہوئی، تو کبھی کبیر داس کے بھجن اور دوہوں میں رونق افروز ہوئی، کبھی فارسی شاہوں کے دربار سے بچتی ہوئی برج بھا شا سے دوستی کر بیٹھی، تو کبھی میر و غالب کی شاعری کے ڈھب میں ڈھلی، کبھی پیغام عشق کی ترسیل کرتی تو کبھی غلامی کے خلاف بغاوت کی آواز بلند کرتی۔ اظہار کی ان جداگانہ پائیدانوں سے ہوتی اردو کو جب کچھ فرصت ملی تو فلمی دنیا اسے اپنانے ہاتھ پھیلائے بیٹھی تھی۔ فلمی پردے پر بھی اردو کی وہی شان رہی اور لوگوں کے دلوں پر اب تک راج کرتی اس زبان کی شاعری فلموں کے جملوں اور گیتوں، نظموں اور غزلوں میں نمایاں ہوئی۔

فلموں میں شاعری لکھنے والے شعرا میں ساحر لدھیانوی، کیفی اعظمی، قتیل شفائی، جاں نثار اختر، احمد فراز جیسے نام مشہور ہیں۔ ان ہی ستاروں میں ایک ستارۂ جمیل تھا جو شکیل بدایونی کے نام سے پہچانا گیا۔ آج بھی ان کی قلم سے ابھرے گیتوں کی بہار ہندوستان کے ریڈیو اور ٹیوی پر چھائی رہتی ہے۔ کوژر سید صاحبہ نے شکیل بدایونی کی لکھی ایک غزل سنائی:

موسمِ گل ساتھ لے کر برق و دام آہی گیا

یعنی اب خطرے میں گلشن کا نظام آ ہی گیا

شکیل بدایونی ہندوستان کی فلموں میں شاعری لکھتے تو احمد فراز کی شاعری پاکستان کے پردے پر نمودار ہوئی۔ لوگوں کے دلوں میں اترنے والی ان کی شاعری ترنم کے ساتھ بھی اتنی ہی بھلی لگتی جتنی خود ان کے مونہہ سے مشاعروں میں سنی جانے پر۔ ایسی ہی ایک دل فریب غزل سنائی جناب ظفر شاہ صاحب نے:

یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے

وہ بت ہے یا خدا دیکھا نہ جائے

موجودہ حال میں اردو اپنی طبیعت کے مطابق اپنے علاقے کی زبانوں کے الفاظ اور اندازِ بیاں کو اپناتی جا رہی ہے۔ اس میں ہندی، سنسکرت، عربی، ترکی، اور فارسی کے علاوہ اب کچھ انگریزی کے الفاظ بھی گھلنے لگے ہیں۔ کئی شاعر ہیں جو اپنی شاعری میں انگریزی الفاظ کا بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔ ندا فاضلی جیسے شاعروں نے کبیر اور سورداس کے بھجن اور دوہوں کے رنگ میں بھی اس زبان کو آزمایا۔ اور کچھ شاعروں نے اپنا ایک انداز بیاں قائم کیا۔ سلیم کوثر ان ہی شاعروں میں سے ایک ہیں۔ خیال اور اظہار کے سہل انداز والی ان کی شاعری سننے میں بھلی لگتی ہے۔ ڈا کٹر غزالہ انصاری صاحبہ نے ایک بار پھر مائیک تھام کر سلیم کوثر کی غزل سنائی:

میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے

سر آئینہ میرا عکس ہے پس آئینہ کوئی اور ہے

اب تک زبان اردو ادب کی کشش سے پہچانی جانے لگی ہے۔ کئی لوگ ہیں جو اس زبان سے محبت کر بیٹھتے ہیں۔ اردو شاعری بھی کئی رنگوں میں ڈھلتی رہی، مگر جب یہ خواتین شاعرات تک پہنچی تو اس کے اظہار میں ایک نیا ہی پہلو ابھرنے لگا۔ نسوانی جذبات کو آشکارکرنے والی شاعری کبھی امرائو جان ادا کے ترانوں میں نمایاں ہوئی تو کبھی ادا جعفری کےقلم سے ابھری۔ کبھی شہناز مزمل کے قلم سے منظوم ترجمۂ قرآنِ مجید کی صورت میں نمایاں ہوئی تو کبھی زرہ نگاہ کی جذبات کا عکس بنی۔ اردو زبانکے حوالے سے اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرنے والی خواتین میں نمایاں نام پروین شاکر کا ہے۔ پروین شاکر کی شاعری میں اظہار کی تازگی ہے تو جذبات کو

کھول کر رکھ دینے والی جرأت بھی۔ محفل کے اختتام پر پروین شاکر کی غزل کی خوبصورتی کو چار چاند لگانے محفل کی نئی مہمان محترمہ سندو سنگھ صاحبہ۔ عام طور پر محفل کی آخری پیشکش نگیش اوادھانی صاحب کی آواز میں گونجتی شاعری سے ہوتی ہے جس کی کمی کو سندو سنگھ صاحبہ کی آواز نے بڑے باکمال انداز میں پورا کیا۔ ان کی گائی پروین شاکر کی غزل تھی:

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی

اس نے خوشبو کی طرح میرے پذیرائی کی

اس طرح اردو زبان کا سفر آج کے دور میں آ کر تھم سا گیا۔ اس دلفریب زبان کو ا بھی بہت آگے جانا ہے۔ اور جب تک دنیا میں اس کے عشق میں مبتلا ہونے والے دل موجود رہیں گے اس زبان کو زوال آ ہی نہیں سکتا۔

سے کچھ معلومات حاصل کیں کچھ معیزخان صاحب کی نظامت The History of the Urdu Languageسے۔

کے ویب صفحے سے معلومات حاصل کی۔
https://www.wdl.org/en/item/9700/